رومانوی تحریک اور اے حمید

شبیر احمد

ABSTRACT:

Movements are based on strong ideologies which subsequently result in marvelous literary and scientific works. World Literature is full of such remarkable achievements. In Urdu literature there are few such movements, Romanticism is one of those movements. Romanticism is based on a glorious ideology. All famous writers were influenced by this movement. This influence gave birth to some masterpieces of Urdu Literature.

This article deals with famous writers of romanticism in general and particularly style, innovation, effective prose writing of A.Hameed. His remarkable work in this field earned him fame and is admired by his contemporaries and continues to inspire the present generation of writers.

بیسویں صدی انقلابات کی صدی تھی ۔ اہل ہندوستان نے معاشرتی ، سماجی، معاشی، سیاسی اور ادبی ہر میدان میں یورپی فاتحین کی پیروی میں عافیت جانی۔ دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح ادبی میدان کا منظر نامہ بھی یکسر تبدیلی کی راہ پر گامزن ہوگیا۔ مافوق الفطرت قصائص اور ماورائے عقل داستانوں کا رنگ پھیکا پڑنے لگا ۔ ان کی جگہ معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور رویوں پر خامہ فرسائی کی ابتدا ہوئی ۔

اردو ادبی دنیا میں رومانوی تحریک علی گڑھ تحریک کی مقصدیت کے متوازی شروع ہوئی ۔ اس تحریک کے بانی سجاد حیدر یلدرم مغربی افکار و نظریات کے زیر اثر تعلیم پانے والوں میں سے تھے ۔ انھوں نے شعوری طور پر زندگی میں محبت کے نغمے کو پیش کیا ۔ اس رجحان کا محرک رومانویت کا تصور اور ایک متوازن قسم کا احساس تھا۔ انھوں نے اپنے تراجم وطبع زاد تخلیقات کو رومانوی چاشنی میں گوندکر پیش کیا ۔ ان کے موضوعات عورت اور مرد کی محبت کے گرد

گھومتے ہیں۔ یلدرم نے اپنی کہانیوں کا مواد ترکی افسانوں سے لیا۔ انھوں نے فرسودہ رسوم و رواج کو پس پشت ڈال کر ایک جدید معاشرے کا خواب دیکھا۔ ایسا معاشرہ جس میں عورت مرد کی دست نگر یا محکوم ہونے کی بجائے بذات خود عملی زندگی میں متحرک ہو۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں لڑکیوں کو جدید تعلیم دلوانے پر زور دیا۔ یہی وہ راستہ تھا جس پر چل کر عورت مرد کے شانہ بشانہ چل سکتی تھی اور معاشرے میں وہ عزت و توقیر حاصل کرسکتی تھی جو جدید ممالک میں عورتوں کو حاصل ہیں۔ یلدرم کی ان رومان کی چاشنی سے بھر پور تحریروں نے معاشرے کی گھٹن پر کاری ضرب لگائی۔

یلدرم نے رومانویت کو مقبولیت عطا کی اور اس نے باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کی۔ اس طرز فکر اور انداز تخیل کے داعی عورت، محبت اور رومان جیسے دل کش موضوعات پر فن پارے تخلیق کرنے لگے۔ ایسے افسانہ نگاروں میں نیاز فتح پوری، مجنوں گھورکھپوری اور حجاب امتیاز علی نمایاں ہیں۔

نیاز فتح پوری کے افسانے نسوانی حسن کی کشش اور عشق و محبت کے رومانی انداز فکر سے بھر پور تھے۔ رومانیت ،شعریت ،حسن پرستی کے ساتھ ساتھ لذت پرستی کا رجحان نمایاں رہا۔ یہی وہ وصف ہیں جن کی بناء پر قاری تحریر میں دل چسپی محسوس کرتا ہے۔ نیاز نسوانی جسم کی چھپی ہوئی رنگینیوں اور کیفیتوں سے لذت آشنائی کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

رومانی رجحان سے متاثر ہونے والے دوسرے اہم افسانہ نگار مجنوں گھورکھپوری تھے۔ ان کے افسانے فنی ہیئت کے لحاظ سے زیادہ خوب صورت ہیں۔ مجنوں نے مغربی ادب کا خوب مطالعہ کیا تھا۔ اس مطالعہ سے انھوں نے بھرپور استفادہ بھی کیا۔ انھوں نے مرد و عورت کی محبت کی ایسی کہانیاں پیش کیں، جو مذہب یا طبقاتی تفاوت کی پروا کیے بغیر پروان چڑھتی ہے۔ لیکن سماج کی ریشہ دوانیاں اس راہ میں رکاوٹ ڈال کر اسے تکلیف دہ انجام پر لا کھڑا کرتی ہیں۔

حجاب امتیاز علی کی تحریریں خالص رومانیت پر مبنی تھیں۔ ان کی تخیلاتی دنیا کے مرد اور عورت ، دونوں کردار ہمارے معاشرے سے تھے۔ ان کرداروں کی رفتار و گفتار میں ہر جگہ زندگی کا گہرا پرتو تھا۔ زندگی کے اس گہرے رنگ و روپ میں شعریت ہر جگہ جلوہ افروز ملتی ہے۔ حجاب نے زندگی کو بھی پس پشت نہیں ڈالا اور فن کو بھی ساتھ ساتھ لے کے چلی ہیں۔

رومانی تحریک میں ایک اہم اور معتبر نام کرشن چندر کا ہے۔ وہ بڑے انسان دوست اور خواب پرست افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے کشمیر کی خوب صورت وادیوں سے متعلق بڑی زور دار تحریریں پیش کیں۔ ان کا دل و دماغ چناروں، جھرنوں، ندیوں، کشتیوں اور مانجھیوں کے گیتوں کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کا شیدائی رہا۔

مندرجہ بالا افسانہ نگار تقریباً نصف صدی تک رومانوی تحریریں پیش کرتے رہے۔ انھوں نے زندگی کو ایک صحت افزا نقطہ نظر سے دیکھنے کا عمل جاری رکھا۔ عورت محبت ، رومان ، فطرت کے حسین مناظر و رعنائیاں سے لطف اندوزی کے علاوہ ایسے صحت مند معاشرے کا قیام ان کا مطمع نظر تھا جس میں مرد و عورت شانہ بشانہ چلتے نظر آئیں۔

ان رومانوی افسانہ نگاروں کی قدرِ مشترک سے متعلق ڈاکٹر انوار احمد کہتے ہیں:

"اردو کے تمام رومانوی افسانہ نگاروں پر سجاد حیدر یلدرم کے اثرات واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں ۔ یہ اثرات انشائے لطیف پر ہی نہیں ،عورت سے متعلق کیفیات وتاثرات کے بیان رنگین پر بھی سایہ فگن ہیں۔"(۱)

اردو نثر میں رومانوی تحریک، اردو نظم کی نسبت توانا تھی۔ اگرچہ اردو نظم میں اس کے نمونے بہت پرانے ہیں، نظیر اکبرآبادی کی بیشتر نظموں کا تانا بانا رومانوی خمیر کا حامل تھا۔ میر کی مثنویات اور سودا کے قصائد بھی مناظرِ فطرت لیے ہوئے تھے۔ علی گڑھ تحریک کے بعد اقبال، حفیظ، عظمت اللہ خان اور اختر شیرانی نے رومانویت کو فروغ دیا۔ بالخصوص اختر شیرانی رومانویت کی متنوع جہات مثلاً نسوانی حسن، جذبات کا شدت سے بیان اور حسن کی جملہ کیفیات سے حاصل شدہ سرور کو پیش کرتے رہے۔

اے حمید نے ۱۹۴۸ء میں جب افسانوی ادب کے میدان میں قدم رکھا، تب حقیقت نگاری اور ترقی پسندی کا عروج تھا۔ وہ معروف رومانوی ادیب کرشن چندر کے دل دادہ تھے ۔ اے حمید ان سے جذباتی لگاؤ کے ساتھ ساتھ متاثر بھی تھے۔ ان کی ابتدائی کہانیاں کرشن چندر کی تقلید میں لکھی جانے کے باوجود اچھوتے انداز کی حامل تھیں ۔ اے حمید کو رومانوی طرزِ فکر سے دلی لگاؤ ہے۔ وہ خالص رومانوی ادیب ہیں۔ انھوں نے سیدھی سادھی محبت کی کہانیاں لکھی ہیں ۔ ان کے کردار لڑکپن کی جذباتیت اور شوریدہ سری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اے حمید کو زندگی کے اس پہلو پر اس قدر دسترس حاصل ہے کہ وہ محض ایک خیال، ایک تاثر یا ایک کیفیت سے افسانہ بنا لیتے ہیں۔ انھوں نے رومانی جذبات کو اس خلوص اور لگن سے بیان کیا ہے کہ قاری ان کی تحریروں کو اپنے دل کی پکار محسوس کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

"اے حمید کے افسانوں کا سب سے بڑا موضوع محبت ہے۔ جسے اپنی خوش بودار نثر سے وہ مزید خوش بودار بنا دیتے ہیں"(۲)

اے حمید کو فطری نظاروں سے بہت لگاؤ ہے۔ قدرتی مناظر کی تفاصیل میں کرشن چندر کے علاوہ کوئی ان کا ثانی نہیں۔ وہ فطرت، عورت اور محبت کے اسیر ہیں۔ سو ان کا بیان بڑے رومانوی اور جذباتی انداز میں کرتے ہیں ۔ وہ اپنی تحریروں کو موثر بنانے کے لیے عام زندگی کے واقعات کو فطرت کے حسین اور عورت کی محبت سے ملا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں زندگی کے مظاہر سے والہانہ وابستگی کا رجحان ملتا ہے۔ اسی طرح ان کے ہاں منظر نگاری بڑے بچے تلے اور سحر انگیز انداز میں ملتی ہے ۔ تمثال نگاری کے ذریعے وہ ماحول کو قاری کی آنکھوں کے سامنے منقش کر دیتے ہیں۔ قاری خاص قسم کی رنگین اور رومان انگیز فضا کی تصویر کشی دل میں اترتی محسوس کرتا ہے۔ فطرت نگاری کرتے ہوئے ان کا قلم موتی پروتا محسوس ہوتا ہے ۔ مثلاً

"جہاں موتیا لگا تھا وہاں گلاب کے جھاڑ اور چمپا کلی کی بیل بھی تھی ۔ یہ بیل کاؤ کے موٹے تنے سے لپٹی ہوئی تھی اور اس میں بے شمار کلیاں مہک دے رہی تھیں ۔ نیچے زمین پر بھی گری ہوئی

پتیوں کا فرش سا بچھ رہا تھا۔ وہ پھولوں کی اس سیج پر بیٹھ گئے ان کے اوپر کاؤ کی گھنی شاخوں کی لمبی چوڑی چھت پھیلی ہوئی تھی جہاں چوڑے چوڑے پتوں میں بارش کی بوندوں کے گرنے کی آواز سنائی دیتی تھی''(۳)

اے حمید کی منظر نگاری سے متعلق سید وقار عظیم لکھتے ہیں:

''افسانہ نگاروں کی نئی پود میں مناظر فطرت اور رومانی تصورات سے جو لگاؤ اے حمید کو ہے وہ کسی اور کو نہیں وہ مناظر کی ایسی تصویر بناتے ہیں کہ پڑھنے والا بھی اُن میں کھو جاتا ہے''(۴)

سفر نامہ، سفر نامہ نگار کی طبیعت کا عکاس ہوتا ہے۔ اے حمید کی یہ رومانویت صرف اُن کے افسانوں میں ہی اپنا رنگ دکھاتی نظر نہیں آتی بلکہ پوری آب و تاب سے اُن کے سفرناموں میں بھی جلوہ گر نظر آتی ہے۔ اے حمید چونکہ خود سراپا رومانویت تھے نسوانی حسن فطرت کی رعنائیاں، جنگل، بارشیں، سرسبز وادیاں، گلاب اور خوشبو وغیرہ ان کی کمزوری تھی۔ سو ان کی جملہ تحریریں ان خوبیوں کے بیان سے مزین ہیں۔

اے حمید کے رومانوی اسلوب سے متعلق انور سدید رقم طراز ہیں:

''اے حمید کے رومانوی اسلوب کی یہ خوبی ہے کہ وہ زہر کو بھی شہد کی طرح قاری کے دل میں اتارنے کی صلاحیت رکھتا ہے''(۵)

شخصیت نگاری ایک مخصوص فنی و فکری صنف ادب ہے۔ یہ صنف کسی شخص کی ظاہری و باطنی تصویر کشی کی متقاضی ہوتی ہے۔ اے حمید اپنے مخصوص اسلوب بیان سے اس میدان میں بھی نادر تشبیہات و استعارات کے ذریعے دل کش تصویر کشی کرتے ہیں۔ وہ جس شخصیت پر قلم اٹھاتے ہیں اس کے ظاہری خط و خال معاملات و مسائل کے علاوہ اس کی باطنی کیفیات کو بھی اجاگر کر دیتے ہیں۔ ایسے رومانوی ماحول سے نہ صرف وہ خود حظ اٹھاتے ہیں بلکہ موضوع شخصیت کے نفسیاتی و ذہنی رجحانات بھی واضح کر دیتے ہیں:

''اورینٹیل کالج میں صرف ایک ہی من موہنی چڑیا رہ گئی ہے جو ڈاکٹر عبادت بریلوی کے کمرے میں بولتی ہے ......طلوع سحر، خوش بودار چائے اور خوب صورت پھول عبادت صاحب پر گہرا اثر رکھتے ہیں۔''(۶)

''وقار صاحب کا وجود ہمارے لیے ایک برگد کے گھنی چھاؤں والے درخت کی طرح تھا۔ پُرسکون، شفقت آمیز، محبت کرنے والا، اپنی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں عطا کرنے والا''(۷)

''اس کی چائے اکثر ٹھنڈی ہو جایا کرتی۔ چائے منگوا کر وہ باتیں کرنے لگتا۔ بچوں ایسی باتیں، چڑیوں ایسی باتیں، کوئلوں ایسی باتیں، وہ باتیں جنھیں اب لوگ لکھتے ہیں مگر کرتا کوئی نہیں۔ ناصر کاظمی جیسے لکھتا تھا ویسے ہی باتیں کرتا تھا''(۸)

اے حمید کی ناول نگاری کے فنی اجزا، فکری رجحانات اور اسلوب رومانویت کے تحت تشکیل پاتے ہیں۔ ناولوں کے عنوانات میں استعاراتی معنویت پائی جاتی ہے، یوں ناول کا عنوان ہی مرکزی خیال اور اُس خاص احساس کی

علامت بن جاتا ہے، جسے مصنف نمایاں کرنا چاہ رہا ہوتا ہے۔

ان کے ایک اہم ناول، ''بہار کا آخری پھول'' کے اختتام پر جاپانی فوجی کیپٹن سلیم کو گولی مار دیتا ہے۔ناول کی ہیروئن راج کماری وشالی اپنی آخری محبت کو خون میں لت پت اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا دیکھتی ہے ۔اے حمید نے اس منظر میں پورے ناول کا مرکزی خیال قلم بند کر دیا ہے، لکھتے ہیں:

> ''وشالی سن ہو کر رہ گئی وہ کھل کر رو بھی نہیں سکتی تھی۔ پھر اُس کا خون کھول اُٹھا۔اس کے سامنے اُس کی محبتوں کا مزار۔اس کی زندگی کی بہار کا آخری پھول خون میں لت پت پڑا تھا''۔(۹)

پھول گرتے ہیں، دھوپ اور شگوفے، جنگل اداس ہے، بارش میں جدائی، صحرا میں چاند، جھیل اور کنول، جنگل روتے ہیں، سورج نہیں نکلا، بارش آ گئی، جہاں برف گرتی ہے اور پہلی محبت کے آنسو، اے حمید کے ایسے ناول ہیں جو اپنے عنوان میں بھر پور رومانویت کے علاوہ ناول کے مرکزی خیال کے بھی حامل ہیں۔

ماضی اور تخیل پرستی رومانویت کی ایک اہم کڑی ہیں۔رومانوی ادیب لمحہ موجود کے مسائل سے گھبرا کر ماضی میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔اے حمید بھی اردو کے بعض دوسرے مصنفین کی طرح ماضی پرست تھے۔ وہ حال اور مستقبل سے کنارہ کرتے ہوئے ماضی کی دل چسپیوں کو بیان کرتے ہیں۔یہ رویہ کسی بات کو یاد دلانے کے لیے نہیں بلکہ گزرے لمحات کو شعوری طور پر زندہ کرنے کا ہوتا ہے۔مثلاً

> ''لاہور کی ایک تنگ و تاریک گلی میں بیٹھا، امرتسر کے شریف پورے والے لائن پار کے امرود، ناشپاتی اور لوکاٹ کے باغوں، آم کے جھنڈوں میں سے ہو کر گزرتی ہوئی ٹھنڈی پرسکون نہروں، کمپنی باغ کے اونچے لمبے گھنے جامن کے درختوں اور موسلا دھار برسات میں بھیگتے ہوئے شہتوت کے پیڑوں اور چھوٹی نہر میں پکی پلیا پر سے کودتے ہوئے ننگ دھڑنگ بچوں کا ذکر کرنے لگا ہوں ..... میں اپنی آہو چشم، چمکیلی آنکھوں اور گرم دھڑکتی آبنوسی چھاتیوں اور شبنمی ہونٹوں والی شہزادی کی ہڈیوں کو محکمہ آثار قدیمہ والوں کے سپرد نہیں کروں گا۔میں اپنی بچھڑی ہوئی مسرت کی لاش کو عجائب گھر کی الماریوں میں بند نہیں کروں گا جہاں کوئی اس کا سرد لمس بھی محسوس نہ کر سکے''۔(۱۰)

اے حمید نے اپنے رومانوی جذبات کو کئی ایک تحریروں میں خطوط کی صنف میں پیش کیا ہے۔ان کے ایسے ناولوں میں 'زیتون کی وادی، سورج نہیں نکلا، دھوپ اور شگوفے اور آدھی رات کا شہر' شامل ہیں۔

دو محبت کرنے والوں کے اک دوسرے کے نام ایسے خطوط، اے حمید کے لازوال تصورِ محبت کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ان کی ایسی تحریریں جذبات واحساسات اور لڑکپن کی شوریدہ سری پیش کرتی ہیں۔ایسے دلکش خطوط کے دو نمونے ملاحظہ ہوں:

> ''میرے پال! میں تمھارے خط کو کئی بار پڑھ چکی ہوں۔کچھ اس لیے بھی کہ تم نے یہ خط بہت دن بعد لکھا تھا اور اس لیے بھی کہ وہ بہت ہی اچھا تھا۔آج رات میں سونے سے پہلے اسے پھر

ایک بار پڑھوں گی..... تمھاری محبت کی جڑیں میرے دل کے اندر اتنی گہرائیوں تک ،اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہیں کہ محبت کی اس نازک اور مضبوط بیل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ۔تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔تم اس بھری دُنیا میں میرے لیے سبھی کچھ ہو'' ۔(۱۱)

''اس رات یاقوت نے نجمہ کو ایک طویل محبت بھرا خط لکھا ۔اس خط میں اُس نے اپنی قلمی واردات کو شروع سے لے کر آخر تک بیان کردیا ۔یہ خط گیارہ صفات پر مشتمل تھا ۔ہر صفحے پر یاقوت نے واٹر کلر سے نرگس کے خوب صورت پھول بنائے ،ہر سطر پر اس نے حنا کے عطر کے قطرے گرائے ۔محبت نامے کو اس نے پھولوں اور عطر کی خوشبوؤں میں بسا کر لفافے میں بند کیا...... دوپہر کے کھانے کے بعد کمرہ بند کر کے نجمہ نے یاقوت کا طویل اور خوبصورت محبت بھرا خط پڑھا ۔خط پڑھتے پڑھتے اُس پر ایک نشہ طاری ہوگیا ۔وہ محبت کی ان وادیوں میں پہنچ گئی جہاں قدم قدم پر ایسے پھول کھل رہے تھے، جن کے چہرے وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی اور جن کی خوشبو وہ پہلی بار سونگھ رہی تھی، اسے یوں لگا گویا اس کے ہاتھ میں خط نہیں بلکہ کیلے کا چوڑا پتا رکھا ہے جس میں گلاب ،گینڈا، مولسری ،چنبیلی اور موتیے کے خوش بودار پھول پڑے ہیں ۔فرط مسرت سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور دل دھڑکنے لگا ۔اُس باغبان کی طرح جو اپنی پھلواری کو پہلی بار پورے جوبن پر دیکھتا ہے'' ۔(۱۲)

اے حمید کی تحریریں محبت کا ایک لازوال تصور پیش کرتی ہیں ۔بعض اوقات محبت کی راہ میں حائل رکاوٹیں ،سماج کی ریشہ دوانیاں یا کسی خوف ولالچ کے تحت عاشق ومعشوق میں سے کوئی ایک رُخ موڑ لیتا ہے، تو دوسری طرف بغاوت جنم نہیں لیتی ۔ بلکہ ایسی صورت میں محبت کرنے والے کی محبت مزید گہری ہوجاتی ہے ۔زیادہ سے زیادہ وہ کسی دوسرے دیس جابستا ہے مگر ایسی صورت میں بھی عشق کی شمع بجھنے نہیں پاتی ۔وہ جفاکش یا مجبور وبس محبوب کی یادوں کی حفاظت کرتا نظر آتا ہے ۔اے حمید کے قلم سے ایسے ہی عاشقِ صادق کی کیفیت ملاحظہ ہو:

''میں تمھارے شہر میں جو کبھی میرا بھی تھا ۔اپنی محبت کی برسی منانے آرہا ہوں ۔اپنے زخموں کو ایک بار پھر تازہ کرنے آرہا ہوں ۔ان تیروں کو سڑکوں پر سے اٹھا کر اپنے سینے میں پیوست کرنے آرہاہوں ۔جوتم نے میری عدم موجودگی میں مجھ پر چلائے اور جو مجھ تک نہ پہنچ سکے۔ یہ بھی تو تمھاری محبت کی نشانیاں ہی ہیں شیریں !''(۱۳)

اے حمید ہجر وفراق کی کیفیات کے بیان میں رومانوی گیتوں ،دیہاتی بولیوں اور لوک کہاوتوں کا برمحل استعمال کرتے ہیں ۔یہ گیت رومانوی فضا کی شدت کو مزید دو چند کردیتے ہیں جیسے :

لام لمیاں راہواں تے جان والی ساڈے دل دا حال نہ پچھیا توں (۱۴)

طوطیا من موطیا تو ایس گلی نہ جا ایس گلی دے جٹ برے لیندے پھائیاں پا (۱۵)

اے حمید کی رومانویت سے متعلق ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں :

''رومانویت اے حمید کے فن کی قوت بھی ہے اور شاید سب سے بڑی کمزوری بھی۔'' (۱۶)

یلدرم کی رومانیت کا پرچار، حسن اور رومان کا بیان، عشق و محبت کی گلیوں کی بھول بھلیاں، ان دیکھے جزیروں کی سیاحت، لڑکپن کی شوریدہ سری، مناظر فطرت کی نقش نگاری، تخیل نگاری، تصور محبت کا لازوال نظریہ، جزیات کا شاعرانہ بیان، الف لیلوی کہانیوں کے تتبع میں کہانیاں، نادر وانوکھی تشبیہات و استعارات اور شاعرانہ ومترنم اسلوب اے حمید کی ایسی خوبیاں ہیں جو انھیں رومانوی تحریک کا علم بردار قرار دلواتی ہیں

اے حمید کے رومانوی اسلوب سے متعلق ناصر کاظمی نے لکھا تھا:

''اے حمید کی تحریروں میں ایک والہانہ نغمگی کا احساس ہوتا ہے۔ ایک ایسی ندی کا خیال آتا ہے جو میٹھے میٹھے سروں میں گاتی کسی گل پوش وادی سے گزرتی چلی جائے'' (۱۷)

حوالہ جات:

(۱) انوار احمد، اردو افسانہ : ایک صدی کا قصہ، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۰۷ء، ص ۶۷

(۲) سلیم اختر۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔ ۱۹۹۳ء، ص ۶۴۸

(۳) اے حمید۔ مٹی کی مونا لیزا، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۸ء، ص ۴۳

(۴) وقار عظیم۔ داستان سے افسانے تک، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۳۷۵

(۵) انور سدید۔ اردو ادب میں سفر نامہ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی (س ن)، ص ۲۱۶

(۶) اے حمید۔ چاند چہرے، القریش پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۳۳۰

(۷) ایضاً ، ص ۳۶۰

(۸) ایضاً ، ص ۹۸

(۹) اے حمید۔ بہار کا آخری پھول۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۳ء، ص ۴۴۳

(۱۰) اے حمید۔ ویران گلی میں لڑکی۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ ۱۹۹۸ء، ص ۵

(۱۱) اے حمید۔ زیتون کی وادی۔ مقبول اکیڈمی، لاہور۔ ۲۰۰۶ء، ص ۷۸

(۱۲) اے حمید۔ آدھی رات کا شہر، مقبول اکیڈمی، لاہور۔ س ن، ص ۱۷

(۱۳) اے حمید۔ سورج نہیں نکلا۔ مقبول اکیڈمی، لاہور ۲۰۰۷ء، ص ۲۱۷

(۱۴) اے حمید۔ پیپل والی گلی۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۳۸

(۱۵) اے حمید۔ بہار کے بعد۔ مقبول اکیڈمی، لاہور۔ س ن، ص ۱۷

(۱۶) انور سدید۔ اردو ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۹۱ء، ص ۵۵۱

(۱۷) ناصر کاظمی۔ پس ورق، آدھی رات کا شہر، از اے حمید، فیروز سنز، ۱۹۶۵ء